افکار

(۱)

(پچھلے سال ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کے مقالہ "تحقیق ربوا" کی اشاعت سے پہلے ایک اخباری افواہ کی بنا پر چند مقامی اخبارات میں خاصی گرما گرم بحث چل پڑی تھی جس میں جناب مفتی محمد شفیع صاحب اور ان کے چند رفقائے کرام نے نمایاں حصہ لیا تھا۔ ہم نے اس ماہنامہ کے نومبر ۶۳ء کے شمارے میں ڈاکٹر صاحب کا پورا مقالہ شائع کر دیا تھا۔ اور تمام اہلِ علم کو دعوتِ فکر و نظر دی تھی۔ خود مفتی صاحب موصوف کے اپنے ایما پر اس مقالے کا مسودہ اس کی اشاعت سے قبل ہی ان کی خدمت میں پیش کر دیا گیا تھا۔ ہمیں امید تھی کہ جب اس مقالے کی اشاعت سے قبل ان بزرگانِ کرام کی طرف سے اس کے بارے میں اس قدر گرمجوشی کا اظہار ہوا ہے تو اشاعت کے بعد تو اس پر تنقید و تبصرہ کا ہجوم ہو جائے گا۔ اس کی پذیرائی کے لئے پچھلے شمارے سے "افکار" کے نئے فیچر کا اضافہ کر دیا گیا۔ لیکن تا دمِ تحریر ہمیں مفتی صاحب ممدوح یا ان کے نَو (۹) رفیقوں میں سے کسی کی جانب سے کوئی تنقید وصول نہیں ہوئی۔ البتہ معاصر عزیز ماہنامہ "انشا" (کراچی) کی دسمبر کی اشاعت میں مفتی صاحب کا ایک

انٹرویو شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے 'ربوا' اور متعلقہ مسائل پر تبصرہ فرمایا ہے
ہم اس انٹرویو کے وہ تمام اقتباسات درج ذیل کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ ع
ہرچہ از دوست می رسد نکوست ۔)

سرمایہ دار کا بینک انٹرسٹ لینا قطعاً حرام ہے

"سود قطعاً حرام ہے اور بینک کے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ بنک قوم کا بلڈ بنک ہے ۔ جہاں سے چند سرمایہ دار اپنی قوتوں کے ذریعہ قوم کا خون چوستے ہیں ۔"

لیکن سرمایہ دار کا مزدور کو غلام بنا لینا جائز ہے اور مزدور کا احتجاج ناجائز

"مزدور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ سرمایہ دار کی بڑھتی ہوئی آمدنی پر اعتراض کرے یا اس سرمائے کا اپنے آپ کو بھی حقدار سمجھے ۔ کیونکہ مزدور نے خود کو دو روپے یا تین روپے روز پر بیچ دیا۔ اس کا کام تو صرف مزدوری کرنا ہے وہ بھی چند روپوں کے معاہدے پر اس لئے یہ مطالبہ یا توقع رکھنا قطعاً جائز نہیں کہ سرمایہ دار اپنی آمدنی کا کوئی حصہ مزدور کو دے ۔ جب مزدور نے اپنی جان کو معاہدہ کرکے سرمایہ دار کے ہاتھوں فروخت کر دیا تو پھر اس کے خلاف احتجاج کرنا ناجائز ہے ۔"

اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے بارے میں فتویٰ

"اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" مولانا نے ہنس کر فرمایا "اسد میاں ! اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پر مجھے ایک قصہ یاد آگیا، کہ کسی بادشاہ کا باز گم ہوگیا۔ اتفاق سے ایک بڑھیا کے ہاتھ وہ باز لگ گیا۔ بڑھیا نے باز کبھی دیکھا نہ تھا۔ حیرت و استعجاب سے کبھی اس کی چونچ دیکھتی، کبھی پنجے، اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ چونچ کیا ہے۔ مختصر یہ کہ اس نے پہلے توڑ موڑ کر اس کے پنجے توڑ دئے۔ پھر چونچ کی درگت بنائی ۔ اتفاقاً بادشاہ کے کارندے باز کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بڑھیا کے پاس پہنچے۔ باز کو دیکھا کہ پنجے ٹوٹے ہوئے، چونچ مڑی تڑی، بال و پر نچے ہوئے۔ بادشاہ کو اطلاع دی۔ بادشاہ نے

کہا کہ نا اہل کے پاس کسی چیز کے چلے جانے کا حشر یہی ہوتا ہے۔ در اصل اسلامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اس بڑھیا کا سا کام سرانجام دے رہا ہے۔"

[انشاعاتی ڈائجسٹ کراچی، دسمبر ۱۹۶۳ء صفحہ ۱۹، "مفتی محمد شفیع سے ایک ملاقات"۔ اسد دیوبندی]

(۲)

[بینک کے منافع کو "ربوا" قرار دینے والے بزرگان کرام اب اسے حلال قرار دینے کے لئے "مضاربت" کا حیلہ "شرعی" تلاش کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس کے چند اہم پہلوؤں کی طرف فاضل نامہ نگار جناب رفیع اللہ صاحب نے مندرجہ ذیل مراسلہ میں توجہ دلائی ہے]

اسلامی معاشیات کے ایک ماہر اپنی کتاب "سود" میں جدید معاشی نظام اور اسلامی نظام کا تقابل بیان کرنے کے بعد بطور نتیجہ یہ فرماتے ہیں:۔

"اس مآل اندیشانہ معاشی نظریہ کی صداقت اگر دیکھنی ہو تو امریکہ کے موجودہ معاشی حالات کو دیکھئے (اشارہ ہے اس خوفناک کساد بازاری کی طرف جو اس کتاب کی تصنیف کے زمانے میں رونما تھی) جہاں سود ہی کی وجہ سے تقسیم ثروت کا توازن بگڑ گیا ہے اور صنعت اور تجارت کی کساد بازاری نے قوم کی معاشی زندگی کو تباہی کے سرے پر پہنچا دیا ہے۔ اس کے مقابلے میں ابتدائی عہد اسلامی کی حالت کو دیکھئے کہ جب اس معاشی نظریہ کو پوری شان کے ساتھ عملی جامہ پہنایا گیا تو چند سال کے اندر قوم کی خوشحالی اس مرتبہ کو پہنچ گئی کہ لوگ زکوٰۃ کے مستحقین کو ڈھونڈتے پھرتے تھے اور مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ملتا تھا جو خود صاحب نصاب نہ ہو۔"

("سود" از جناب ابوالاعلیٰ مودودی صاحب جدید ایڈیشن صفحہ ۳۷)

اگر تھوڑا سا غور کیا جائے تو ان دونوں مفروضہ نتائج کو حقائق سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اگر اس وقت امریکہ کا معاشی نظام سود کی وجہ سے بگڑ گیا تھا تو بعد میں سود کو کب خیرباد کہا گیا کہ وہی معاشی نظام اعلیٰ بلندیوں پر پہنچ گیا۔ دوسرا اس لئے کہ اسلامی نظام میں زکوٰۃ اکٹھی کرنا حکومت کا فریضہ ہے۔ قرآن کا بھی یہی حکم ہے:۔

خُذْمِن اموالھم صدقۃً تطھّرھم وتزکّیھم بھا (اے نبی) ان کے مال سے صدقہ لو جو ان کو پاک کرے اور ان کا تزکیہ کردے (القرآن ۹/۱۰۳)

جب تک اسلامی حکومت قائم رہی اس پر عمل ہوتا رہا۔ انفرادی طور پر زکوٰۃ دینا اسلامی تصور نہیں۔ یہ دعویٰ بھی جذباتی ہے کہ اسلامی معیشت کی ترقی کی وجہ سود کا نہ ہونا تھا۔ بعض تاریخی واقعات اس کے برعکس ہیں۔ مثلاً حضرت عمرؓ کے سنہری دور میں اس بڑھیا کے قصے سے تو مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ جس نے اپنی ناداری کی وجہ سے بھوکے بچوں کا دل بہلانے کے لئے خالی ہنڈیا چولھے پر ڈال رکھی تھی۔ اور اگر کوئی اس کی مدد کو پہنچا تو وہ حضرت عمرؓ بہ نفسِ نفیس۔ آپ ہی کے عہد کا دوسرا واقعہ ہے کہ آپ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو لے کر ساری رات ایک قافلہ کی چوکیداری کرتے رہے اور فرمایا کہ خشیت علیھم سراق المدینۃ (بحوالہ بستان الادب ج ۱ ص ۶)۔ یعنی مجھے ڈر ہے کہ مدینہ منورہ کے چور ان کے مال کا نقصان نہ کریں۔

دراصل موجودہ معاشی نظام ایک علمی نظام ہے اور اس کے لئے جتنی علمی مہارت کی ضرورت ہے اور اس سے کہیں زیادہ عملی مہارت کی۔ لیکن جو لوگ اس کو بدلنے کے لئے اسلامی نظام معیشت کو پیش کر رہے ہیں، ان میں نہ صرف یہ صفت مفقود ہے، وہ تو خود اسلامی معاشی نظام کو بھی اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ اس کی ایک اہم مثال مسئلۂ مضاربت ہے۔ سودی نظام کو بھی ختم کرنے کے لئے مضاربت کا نام ہی بار بار لیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ سود کو ساقط کر کے بینکنگ کا سارا نظام اس اصول پر چلایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ کتاب "سود" کے فاضل مصنف فرماتے ہیں۔

"اگر وہ اپنی پس انداز کردہ رقموں کو کسی نفع آور کام میں لگانے کے خواہشمند ہیں تو ان کے لئے اس چیز کے حصول کا صرف ایک راستہ کھلا ہوگا یہ کہ اپنی بچائی ہوئی رقموں کو مضاربت (یعنی نفع اور نقصان میں مناسب شرکت) کے اصول پر نفع بخش کاموں میں لگائیں۔ خواہ حکومت کے توسط سے یا بینکوں کے توسط سے" (سود۔ جدید ایڈیشن صفحہ ۲۰۲)

آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"مگر موجودہ نظام کی طرح اس نظام میں بھی سب سے زیادہ قابل عمل اور مفید تیسری ہی صورت ہوگی۔ یعنی یہ کہ لوگ بینکوں کے توسط سے اپنا سرمایہ نفع بخش کاموں میں

دکھائیں ۔اس لئے ہم اس کو ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے اس امر کی صاف تصویر آجائے کہ سود کو ساقط کرنے کے بعد بینکنگ کا کاروبار کس طرح چل سکتا ہے اور نفع کے طالب لوگ اس سے کس طرح متمتّع ہو سکتے ہیں " (ایضاً ۔ صفحہ ۲۱۰)

اس کی تفصیل یوں فرماتے ہیں :۔

" اس معاملہ میں فرق صرف یہ ہو گا کہ بحالت موجودہ منافع حصہ داروں میں تقسیم ہوتا ہے اور کھاتہ داروں کو سود دیا جاتا ہے ۔ اس وقت دونوں میں منافع ہی تقسیم ہوں گے " (ایضاً ۔ صفحہ ۲۱۱)

اپنی ایک دوسری کتاب میں بھی مضاربت کی یہی تعریف کرتے ہیں :۔

" اسلامی قانون نے تجارت صنعت اور معاشی کاروبار کے تمام شعبوں میں آدمی کو اس بات کی کھلی اجازت دی ہے کہ وہ نفع نقصان کی شرکت کے اصول پر دوسروں کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرے ۔ ایک شخص دوسرے شخص کو روپیہ دے سکتا ہے اور طے کر سکتا ہے کہ اس سے کاروبار کرکے نفع و نقصان میں آدھے یا چوتھائی کا شریک ہو " (مسئلہ ملکیت زمین صفحہ ۵۸)

قارئین نفع و نقصان کی شرکت والا نکتہ ذہن میں رکھیں کیونکہ آئندہ بحث کا اس سے گہرا تعلق ہے ۔ جن لوگوں کا اس وقت یہ دعویٰ ہے کہ ان کا کاروبار صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق ہے ۔ ان کا عمل بعینہٖ اس تشریح کے مطابق ہے یعنی جس کو بھی رقم مضاربت کے اصول پر دی جاتی ہے ۔ اس کی نفع میں بھی شرکت ہوتی ہے اور نقصان میں بھی ۔ حالانکہ مضاربت کی جو تعریف ائمہ مجتہدین نے کی ہے وہ اس کے بالکل الٹ ہے ۔

سودی کاروبار کا مضاربت کے اصول پر جواز سب سے پہلے قاضی ابو یوسف صاحب نے پیش کیا ۔ انہوں نے زمین کی بٹائی کے بارے میں جو فرمان نبوی کے مطابق سود ہے مضاربت کے اصول پر جواز کا فتویٰ دیا ۔ فرماتے ہیں :۔

لانہ عقد شرکۃ بین المال والعمل (کیونکہ یہ بٹائی) مال اور عمل کے درمیان

فیجوز اعتبارھا بالمضاربۃ

شرکت کا معاملہ ہے پس یہ مضاربت کے اصول پر جائز ہوگا۔

(ہدایہ آخرین مجتبائی کتاب المزارعت صـ۴۲۴)

مضاربت کا صحیح مفہوم

یہ حضرات اس اصول کا تو بے دریغ استعمال کرنے لگے، لیکن اس کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کی بالکل کوئی کوشش نہ فرمائی۔ اب ائمہ مجتہدین کی زبانی اس کی تشریح سنیئے۔ فقہ کی بڑی چھوٹی جو کتاب بھی اٹھا کر دیکھیں اُس میں آپ کو مضاربت کی یہ تعریف ملے گی:۔

ھی فی اللغۃ عبارۃ عن ان یدفع شخصٌ مالاً لآخر لیتجر فیہ علی ان یکون الربح بینھما علی ماشرطا والخسارۃ علی صاحب المال

لغت میں مضاربت کے معنی یہ ہیں۔ ایک شخص دوسرے کو تجارت کے لئے سرمایہ دے اس شرط پر کہ نفع تو ان دونوں کے درمیان بمطابق شرط ہوگا لیکن نقصان کا ذمہ دار صرف صاحب سرمایہ ہوگا (خط کشیدہ الفاظ پر دوبارہ نظر ڈالیں)

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۳ صـ۳۴)

یعنی نفع میں تو شرکت ہوگی لیکن نقصان سب کا سب سرمایہ والے کے ذمے ہوگا۔ کارندہ صرف نفع میں شریک ہوگا اور اس کے علاوہ اس کے اخراجات بھی سرمایہ ہی سے ہوں گے۔ چاہے نفع ہو یا نقصان۔

حضرت امام مالک رح فرماتے ہیں:۔

ونفقۃ العامل من المال فی سفرہ من طعامہ وکسوتہ ومایصلحہ بالمعروف بقدر المال

کام کرنے والے حصہ دار کا سفر خرچ مثلاً کھانا کپڑے اور دوسرے اخراجات سرمایہ کی مقدار کے لحاظ سے سرمایہ ہی سے وصول کئے جائیں گے۔

(تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک جلد ۲ صـ۸۵)

یعنی ان اخراجات کے بعد اگر نفع ہوگا تو حصہ کے مطابق ان میں تقسیم ہوگا۔ لیکن اگر نقصان ہوا تو کارندہ کو کچھ بھی نہ دینا ہوگا۔ کیونکہ مضاربت کا مال اس کے ہاتھ میں بطور امانت تصور کیا جاتا ہے :۔

ثم المدفوع الی المضارب امانۃ فی یدہ (ہدایہ اخرین کتاب المضاربۃ صـ۱۸۷)

یعنی جو سرمایہ مضارب (کارندہ) کے حوالہ کیا جائے گا وہ بطور امانت ہے اور اگر یہ مال ضائع ہوجائے گا تو کارندہ کسی صورت میں اس کا ذمہ دار نہیں جیساکہ امانت کا شرعی حکم ہے

الامانۃ فی ید المودع اذا ھلکت لم یضمنھا (ایضاً صفحہ ۲۰۱)

(اگر امین کے پاس امانت کا مال ضائع ہوجائے تو وہ اس کا ذمہ دار نہیں)

یہ تو ہے مضاربت کا شرعی مفہوم۔ اس کے ساتھ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مضاربت کوئی ایسا معاملہ نہیں کہ اس کی عام اجازت ہو۔ اس کی اجازت صرف محدود حالات میں ہے جب کہ کوئی شخص خود کاروبار کرنے کے قابل نہ ہو۔ شمس الائمہ علامہ سرخسی اس کے جواز پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

انّ با لناس حاجۃ الی عقد المضاربۃ فصاحب المال قد یکون عاجزاً عن التصرف بنفسہ (مبسوط جلد ۲۲ صفحہ ۱۷)

مضاربت ایک انسانی ضرورت ہے کیونکہ بعض اوقات صاحب سرمایہ خود کاروبار کرنے سے عاجز ہوتا ہے علامہ موصوف کو یہ دلائل دینے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کیونکہ کچھ ائمہ کو اسے شرعی مسئلہ تسلیم کرنے میں بھی کلام ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ کتاب وسنت میں مضاربت کی کوئی اصل نہیں ہے۔

علامہ ابن حزم کے نزدیک مضاربت کی حیثیت

قال ابن حزم فی مراتب الاجماع کل ابواب الفقہ فیھا اصل من الکتاب والسنۃ حاشا القراض فما وجدنا لہ اصلاً فیھا البتۃ۔

علامہ ابن حزم مراتب الاجماع میں فرماتے ہیں کہ فقہ کے ہر باب کی اصل کتاب وسنت ہے مگر مضاربت ہم نے کتاب وسنت میں

اس کی کوئی اصل نہیں پائی۔

(نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۲۸۲)

اس بحث سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ جس چیز کو "سود" کے فاضل مصنف مضاربت کا نام دے رہے ہیں وہ کوئی اور چیز ہے اور فقہ کی کتابوں میں جس مضاربت کا ذکر ہے اس سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بلکہ سود اور اس میں معمولی فرق ہے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ سود بہت بڑی بُرائی ہے اور اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں لیکن معلوم نہیں ان حضرات کو بینک کا سود تو بار بار کھٹکتا ہے حالانکہ جن چیزوں کو رسول اللہ صلعم سود قرار دے گئے ہیں یہ حضرات ان میں سے کئی امور کے جواز کا فتویٰ دے چکے ہیں۔ جس کی تین مثالیں ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

۱۔ ان جائز کردہ چیزوں میں سے پہلی زمین کی بٹائی ہے۔ جس کے سود ہونے کے متعلق حدیث کی کتابوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمان ملتے ہیں۔

(ا) حضرت رافعؓ اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی کھیتی کو پانی دے رہا تھا۔ وہاں سے حضور صلعم کا گزر ہوا تو پوچھا یہ کس کی کھیتی ہے اور کس کی زمین ہے۔ میں نے عرض کیا میری کھیتی ہے اس میں تخم اور عمل میرا ہے۔ آدھی پیداوار میری ہوگی اور آدھی مالک زمین قبیلہ کی۔ آپ نے فرمایا کیا تم سود کا کاروبار کرتے ہو۔ زمین مالکوں کو واپس کردو اور ان سے اپنا خرچ وصول کرلو۔ (سنن ابوداؤد باب المزارعۃ)

(ب) دوسری روایت بھی سنن ابوداؤد ہی کی ہے اور اس کے راوی حضرت جابرؓ بن عبداللہ ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلعم کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص مزارعت نہ چھوڑے وہ اللہ اور رسول سے لڑائی کے لئے تیار ہوجائے۔ (ایضاً)

۲۔ دوسرا ایسا معاملہ مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ ہے اس کے متعلق فرمان نبوی یہ ہے مَن اَجرَ ارض مکۃ فکانما اکل الربوا۔ حنفیہ کا فتوی بھی اسی کے مطابق ہے:۔ ویکرہ

اجارتھا ایضاً لقولہ علیہ السلام من اجر ارض مکۃ فکانما اکل الربوا

(ہدایہ اخرین کتاب الکراھیۃ صفحہ ۴۷۳)

یعنی مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ لینا جائز نہیں
اس فرمان نبوی کے مطابق کہ جس نے اس کا کرایہ وصول کیا اس نے گویا سود کھایا۔ اسی جگہ حاشیہ پر ایک دوسری روایت بھی نقل ہوئی ہے۔

روی ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن مجاھد قال قال رسول اللہ صلعم مکۃ حرام حرمھا اللہ لایحل بیع رباعھا و اجارۃ بیوتھا	مکہ شریف کو اللہ تعالیٰ نے حرمت والی جگہ بنایا ہے۔ اس کے مکانوں کا بیچنا یا کرایہ وصول کرنا حرام ہے۔ (ایضاً)

جو شخص بسبب حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے ہیں وہ اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ کرایہ کی عام شرح تو کجا بعض اوقات بیس چالیس گنا زیادہ کے حساب سے دینا پڑتا ہے۔ لیکن کبھی کسی اللہ کے بندے کو یہ توفیق تک نہ ہوئی کہ عوام کو کم از کم اس کی حرمت کا شرعی حکم ہی بتا دے۔

۳۔ تیسری چیز ربوا الفضل ہے جس کی حرمت پر اس مضمون کی کئی احادیث موجود ہیں۔
الذھب بالذھب مثلاً بمثل وزناً بوزن یداً بید والفضل ربوا۔

(ہدایہ اخرین کتاب الصرف صفحہ ۶۴)

اس کی تفصیل کتاب "سود" کے فاضل مصنف کی زبانی سنئیے:۔

"جیسا کہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں قدیم زمانے میں تمام سکے خالص چاندی سونے کے ہوتے تھے اور ان کی قیمت درحقیقت ان کی چاندی اور ان کے سونے کی قیمت ہوتی تھی۔ اس زمانے میں درہم کو درھم سے اور دینار کو دینار سے بدلنے کی ضرورت ایسے مواقع پر پیش آتی تھی جب کہ مثلاً کسی شخص کو عراقی درہم کے عوض رومی درہم درکار ہوتے یا رومی دینار کے بدلے ایرانی دینار کی حاجت ہوتی۔ ایسی ضرورتوں کے مواقع پر یہودی ساہوکار اور دوسرے ناجائز نفع کمانے والے لوگ کچھ اس طرح کا ناجائز منافع وصول کرتے تھے جیسا موجودہ زمانے میں بیرونی سکوں کے مبادلہ پر بٹا ون لی جاتی

ہے یا اندرون ملک میں روپیہ کی ریزگاری مانگنے والوں یا دس اور پانچ کا
نوٹ بھنانے والوں سے کچھ پیسے یا آنے وصول کرلئے جاتے ہیں۔ یہ چیز بھی
چونکہ سودخوارانہ ذہنیت کی طرف لے جانے والی ہے اس لئے نبی صلعم نے
حکم دے دیا کہ نہ تو اس چاندی کا تبادلہ چاندی سے اور سونے کا تبادلہ سونے
سے کمی بیشی کے ساتھ کرنا جائز ہے اور نہ ایک درہم کو دو درہم کے عوض بیچنا
درست ہے۔ ("سود" جدید ایڈیشن صفحہ ۱۵۷)

آج بھی دنیا میں زرمبادلہ کا ناجائز کاروبار ہو رہا ہے۔ ارضِ مقدس بھی اس سے مستثنیٰ نہیں حج پر جانے والے ہر شخص کو اس سے واسطہ پڑتا ہے بعض اوقات تو اس کی شرح ۵۰ فیصدی تک پہنچ جاتی ہے اور اکثر ایسے حضرات جن کا خون بنک کے سود کا نام سنتے ہی کھولنے لگتا ہے اس میں حصہ لینے میں قباحت محسوس نہیں کرتے یا کم از کم یہ تمام کاروبار ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔ لیکن کسی نے ایسا کرنے والوں کو نہ کبھی ٹوکا ہے اور نہ ہی اس کا ناجائز ہونا ان کے گوش گزار کیا ہے۔ حالانکہ کتاب "سود" کے فاضل مصنف کئی بار اس ارضِ مقدس سے ہو آئے ہیں۔ اور یقیناً ان حالات کو جانتے ہوں گے۔

اگر ان اقسام کے سود کا جواز پیدا کیا جا سکتا ہے تو بنک کے سود کے لئے بھی فقہی گنجائش موجود ہے۔ مثلاً اگر سود کا تمام نظام حکومت اپنے ہاتھ میں رکھے تو فقہ کے اس اصول کے مطابق اس کے جواز کی صورت بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔

ولا ربوا بین المولی وعبدہ لان العبد وما فی یدہ ملک لمولاہ فلا یتحقق الربوا	آقا اور غلام کے درمیان سود جائز ہے کیونکہ غلام اور اس کی ملکیت میں آقا مالکانہ تصرف کرسکتا ہے اس لئے سود ثابت نہیں ہوتا۔

(ہدایہ اخرین کتاب الربوا صفحہ ۴۸)

آقا اگر اپنے غلام کے مال میں مالکانہ تصرف کرسکتا ہے تو حکومت کو بھی یہ حق حاصل ہے بلکہ "سود" کے فاضل مصنف کے خیال کے مطابق یہ اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہوگا۔
چنانچہ فرماتے ہیں:-

"رہ گیا بینکنگ کا یہ نقصان کہ نفع کی کشش سے جو سرمایہ ان کے پاس اکٹھا ہوتا ہے اس کی مجتمع طاقت پر عملاً صرف چند ساہوکار قابض و متصرف ہوتے ہیں تو اس کے تدارک کے لئے ہم کو یہ کرنا ہوگا کہ مرکزی ساہوکاری کا سارا کام بیت المال یا اسٹیٹ بینک خود اپنے ہاتھ میں رکھے اور قوانین کے ذریعہ سے تمام پرائیویٹ بینکوں پر حکومت کا اقتدار اور دخل و ضبط اس حد تک قائم کردیا جائے کہ ساہوکار اپنی مالیاتی طاقت کا بے جا استعمال نہ کریں"

("سود" جدید ایڈیشن صہ ۱۲۳)

ایسے "سود" کی حیثیت یقیناً عام سود سے مختلف ہوگی جب بیت المال یعنی عوام کے خزانہ سے عوام کے فائدہ کے لئے کچھ لوگوں کو وظائف دئے جا سکتے ہیں اور اس سے کسی غریب کے حق پر ضرب نہیں پڑتی تو عوام کے خزانہ سے عوام ہی کے فائدہ کے لئے سود لینے دینے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں کوئی ظالم خون چوسنے والا تو ہوگا نہیں۔ نفع ہو یا نقصان عوام اس میں من حیث القوم شریک ہوں گے۔

فقہ اسلامی پر دسترس رکھنے والے حضرات کے لئے مزید غور و فکر کا سامان موجود ہے۔

رفیع اللہ، استاد شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، گوجرخان

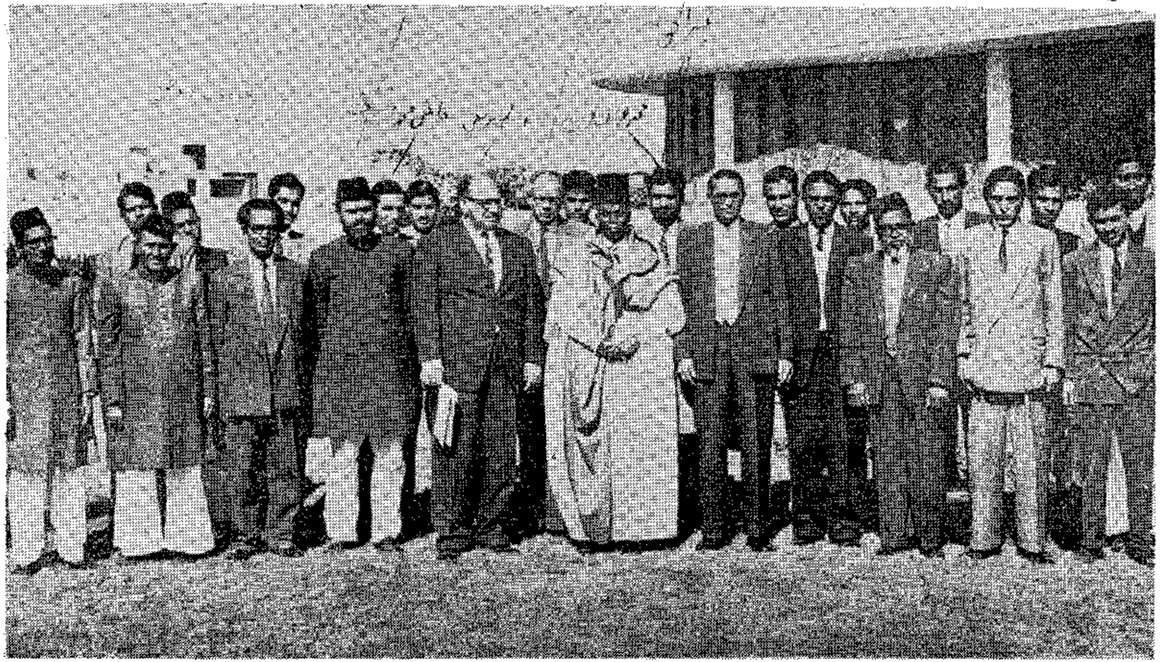

جناب سید شریف حیدر المکی رفقائے ادارہ کی معیت میں ۔ ان کے بائیں جانب ڈاکٹر فضل الرحمن اور
دائیں جانب جناب اسلم صدیقی کھڑے ہیں ۔